احمد معاویہ

قتیلِ سازشِ ابناءِ سبا، حضرت پیر جی عبدالعلیم شہید

تحریک آزادی ہند اور جہاد شاملی کے عظیم مجاہد مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ مجاز حضرت حافظ محمد صالح کے پوتے، ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی و سیاسی تحریکوں کے سرپرست، مسند بیعت و ارشاد کے آفتاب و ماہتاب حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت پیر جی عبداللطیف رائے پوری کے فرزند دلبند، حضرت پیر جی عبدالعلیم رائے پوری، جنھیں آج مرحوم لکھتے اور کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اتنی جلدی روٹھ کے عالم بالا کو سدھار جائیں گے۔ اور ہمیں یوں روتا چھوڑ دیں گے۔

شگفتہ طبیعت، ملنسار، ہنس مکھ، مہمان نواز، دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے شریف دشمن، چہرے پہ سیاہ گھنی داڑھی، بوٹا سا قد، سفید اجلا لباس، سر پہ ململ کا رومال باندھے پیر جی عبدالعلیم! جنھوں نے ایک ایسے گھرانے میں پرورش پائی جو ہر لحاظ سے خیر و برکت سے مالا مال تھا۔ جہاں علم، زہد، تقوی، للّٰہیت، اللہ کی مخلوق سے اچھا سلوک ہوتا، جہاں بیمار روحیں آتیں اور شفاء و ہدایت کی دولت لے کر واپس پلٹتیں، بچپن ایسے ماحول میں گذرا۔ ذرا بڑے ہوگئے تو وقت کے شیخ اور قطب الاقطاب حضرت مولانا پیر جی عبدالعزیز رائے پوری کے پاس تعلیم کے لئے بٹھا دیا گیا۔ جو رشتہ میں تایا بھی لگتے تھے۔ فارسی مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ کے پاس پڑھی بعد میں تب کے عظیم مدرسہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں بغرضِ تعلیم بھیج دیا گیا۔ جہاں تحریک ریشمی رومال کے گمنام مگر اللہ کے ہاں بڑے ہی نیک نام، حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب قدس سرہ طلبا، علما، اور عوام الناس کو اپنے علم اور فیوض و برکات سے مستفیض فرما رہے تھے۔ یہاں جن اساتذہ کی صحبت میسر رہی ان میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری، حضرت علامہ غلام رسول صاحب، حافظ محمد صدیق صاحب جیسے مہر درخشاں ہستیوں کے نام ہیں۔ یہیں شیخ احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی۔ وہ آپ کے ہم درس، ہم عصر، رفیق اور جگری دوست ہیں۔ غالباً ۶۰ء یا ۶۱ء میں جامعہ خیر المدارس میں دورہ حدیث شریف کیا فراغت کے بعد واپس چیچا وطنی اپنے والد ماجد کے ہاں چلے آئے۔ اپنے مدرسہ میں درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ ابتداً فارسی کی کتابیں شروع کیں۔ مگر طبیعت اس طرف زیادہ مائل نہیں رہی۔ اس کے لئے اس طرح وقت نہ دے سکے جو تدریس کے لئے ایک ضروری امر ہے۔ چیچا وطنی میں مجلس احرار اسلام کے ساتھ تعاون اور احرار قائدین سے تعلق تو قدیم سے چلا آرہا تھا۔ اور گاہے بگاہے حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری اور حضرت سید عطاء المحسن بخاری کو تمہید القرآن میں سالانہ جلسوں میں بلواتے رہتے۔ مگر باقاعدہ تعلق کچھ اس طرح ہوا کہ غالباً ۷۶ء میں قائد احرار حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری جماعتی دورے پر چیچا وطنی تشریف لائے تو پیر جی عبداللطیف رحمہ اللہ سے پیر جی

عبدالعلیم کو مانگ لیا کہ حضرت اپنا یہ بیٹا مجھے دیدیں۔ اس دن سے شہادت تک احرار کا دم بھرتے رہے۔ اور رفاقت کی۔ عظیم مثال قائم کر کے قائدین احرار اور جماعت احرار سے وفاء و محبت کا دیپ جلائے رکھا۔ حضرت پیر جی عطاء المھیمن بخاری مدظلہ سے سگے بھائیوں جیسا معاملہ تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے دکھ سکھ اور راحت و آرام میں شریک رہے ۷۴ء میں تحریک مقدس تحریک تحفظ ختم نبوت، اور ۷۷ء میں تحریک نظام مصطفیٰ میں علاقہ کی سطح پر نمایاں کام سرانجام دیا۔ ۷۷ء کی تحریک کے نتیجہ میں ضیاء الحق کا مارشل لاء آیا تو تمام جماعتوں کو کالعدم قرار دیدیا گیا۔ بعد میں جب جماعتوں سے پابندی ختم ہوئی تو کچھ عرصہ تک مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ بھی رہے۔

۷۷ء میں جب حضرت والد ماجد کا انتقال ہو گیا تو لوگوں کا آپ کی طرف رجوع ہونے لگا۔ چنانچہ اپنے والد ماجد کی مسند کو سنبھالا، ساتھ ہی ساتھ چیچا وطنی میں حضرت پیر جی عبداللطیف کے قائم کردہ، مدرسہ تجوید القرآن کی نظامت کے فرائض بھی ذمہ آپڑے۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ساہیوال میں حضرت مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی مرحوم نے پیہم اصرار اور کوشش سے پیر جی کو اپنے ہاں بلوالیا۔ اور جامعہ رشیدیہ کی نظامت و اہتمام آپ کے سپرد کر دیا۔ آپ ایک عرصہ تک جامعہ رشیدیہ کے ناظم اعلیٰ رہے۔

والد محترم کی تربیت اور تایا کی توجہات کا اثر تھا کہ طبیعت بہت سادہ اور صاف گو تھی۔ ہر طرح کی بناوٹ اور تصنع سے پاک تھے۔ ہر ملنے والے سے یوں محبت کے ساتھ پیش آتے کہ وہ سمجھتا کہ شاید یہ میرے ہی ہیں۔ گھر ہوتے تو قریباً سارا دن دستر خوان چلتا۔ واقفان حال جانتے ہیں کہ لسی اس گھر کا خاص مشروب تھا اور کھانے کے بعد خصوصی طور پر تیار کرایا گیا میوہ جات سے بھرپور گڑ ملتا۔ دوستوں میں ہوتے تو کبھی اپنی برتری کا اظہار نہیں کیا، چھوٹے بھی آپ کے برتاؤ سے یہی محسوس کرتے کہ یہ بھی ہمیں میں سے ہیں۔ "جوان" خاص تکیہ کلام تھا راقم شہادت سے قریباً ڈیڑھ ہفتہ قبل جب انکے گھر کے قریب ہی ملا تو کہنے لگے "آ بھئی جوان! کیہ حال اے؟"

ان کے اس ایک لفظ "جوان" میں محبت و اپنائیت کی وہ چاشنی تھی کہ جسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مگر بتلایا نہیں جا سکتا۔

پیر جی کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے بچوں پر بہت ہی شفقت کرتے، اپنے برادر بزرگ حافظ عبدالمجید صاحب کے پوتے اور قاری عبدالرحمن صاحب کے بیٹے اسد الرحمن سے خاص انس تھا۔

گھر میں پیر جی کی اہلیہ نے بچیوں کے لئے حفظ قرآن اور دینی تعلیم کا مکتب کھول رکھا ہے۔ جہاں سے اب تک سینکڑوں بچیاں حفظ و ناظرہ تعلیم و قرآن مکمل کر چکی ہیں۔ آج یہ سب حضرت پیر جی کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

قدرت کی طرف سے معاملہ فہمی کا خاص وصف عطاء ہوا تھا چنانچہ حضرت پیر جی عبداللطیف رحمہ اللہ کی وفات کے بعد لوگ اپنے معاملات کو نمٹانے اور اپنے جھگڑوں میں ثالث بنانے کے لئے پیر جی عبدالعلیم ہی کا

انتخاب کرتے۔ اس سلسلہ میں اگر کہیں سفر بھی کرنا پڑتا تو کوشش یہی ہوتی کہ اپنا ہی خرچ ہو دوسرے پر بوجھ نہ ہو۔ جس رات شہادت کا وقوعہ ہوا اسی روز قریباً چھے گھنٹے کی پنچایت کے بعد ایک جھگڑے کا فیصلہ کیا۔ چیچا وطنی میں محترم عبداللطیف خالد چیمہ، عباس بھی، لاہور کے شاہد کاشمیری صاحب، ظفر اقبال فاروقی اور بہت سے لوگ آپ کی خصوصی شفقتوں اور محبتوں کے شہید تھے۔ پیر جی شہید کی مجلس میں امیر، غریب، ریڑھی بان، دکاندار، عالم جاہل سبھی قسم کے لوگ ہوتے۔ سب سے ان کے حسبِ مرتبہ سلوک کرتے، ان سے اپنی بڑائی اور فوقیت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ صاف گو، صاف دل انسان تھے۔ دوستی اور دشمنی میں کبھی آج کے مروجہ منافقانہ طرزِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ اگر کبھی دشمن بھی ان کے ہاں اپنے کسی کام کے لئے چلا گیا تو جتلایا نہیں۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک تقریر کی پاداش میں جب عبداللطیف خالد چیمہ صاحب پابند سلاسل ہوگئے تو مقدمہ کے ابتداء سے لیکر رہائی ہونے اور اس کے بعد بری قرار دیئے جانے تک اس طرح مقدمے کو ڈیل کیا کہ شاید اپنا بھی کوئی ایسا نہ کرتا۔

چیچاوطنی میں کسی بھی دینی تحریک میں آپ کی شمولیت کامیابی کی ضمانت ہوتی۔

شہر کی سڑکوں، چوکوں اور چوراہوں کو حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموں سے منسوب کیا گیا تو اس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اسی طرح کئی سال قبل (۱۹۸۴ء میں) شہر کے مرکزی فوارہ چوک کا نام چوک شہداء ختم نبوت رکھا گیا۔ اور ایک یادگار قائم کی گئی۔ تو اپنی جماعت احرار کی طرف جامع مسجد کے سامنے ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا اور مرکزی چوک کو شہداء ختم کے نام سے منسوب کرنے پر چیئرمین بلدیہ کو مبارکباد دی۔ قائدین احرار کے علاوہ چیئرمین بلدیہ رائے حلی نواز مرحوم کو بھی جلسہ میں مدعو کیا۔

شجاعت و تہور کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ رافضیوں نے اعلان کیا کہ ہم دسویں محرم کا تعزیہ تجوید القرآن کے سامنے سے گذاریں گے رافضیوں نے اس پر زور دیا اور باور کرانے کی کوشش کی کہ اگر ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ بنا تو اسے ختم کر دیا جائیگا۔ تب پیر جی شہید ہی تھے جو مدرسہ والے چوک میں ایک سادہ چارپائی پر بیٹھ گئے اور کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ ادھر سے کون سا تعزیہ گذرتا ہے چنانچہ رافضیوں کو اس قسم کی حرکت کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ہر سال محرم میں چیچاوطنی میں مجلس ذکر حسین کے عنوان سے ایک جلسہ احرار کے زیر اہتمام ہوتا ہے جس میں حضرت سید عطاء المحسن بخاری دامت برکاتہم خصوصی طور پر شرکت کیا کرتے ہیں۔ (دو تین سال سے شاہ جی کا یہ سفر جسمانی عوارض کی وجہ سے موقوف ہے) ان دنوں میں ہر ضلع میں علماء کرام پر بڑی سخت قسم کی پابندیاں ہوتی ہیں لیکن پیر جی شہید ان سب پابندیوں کو توڑ کے حضرت شاہ جی کا خطاب کراتے۔

حضرت مولانا حق نواز شہید نے جب رافضیت کے خلاف باقاعدہ کام شروع کیا تو ان پر بھی پابندیوں کا خاصا

زور دیا مگر یہ پیر جی ہی تھے جو راتوں کو دریائے راوی کشتیوں کے ذریعے پار کراتے اور خطاب کے بعد اسی انداز میں واپس اپنی نگرانی میں بھجواتے۔ ان سب کے پیچھے ایک ہی جذبہ کار فرما تھا کہ لوگوں کو دین کی صحیح باتیں معلوم ہوں اور مسلمان اسلام کے خلاف مشرکین عجم کی سازشوں کو معلوم کر کے منصبِ صحابہ کے تحفظ اور اسلام کی بقاء کے لئے کمر بستہ ہوں۔

اس وقت پیر جی شہید چیچا وطنی میں اپنے تعلیمی ماحول کے اعتبار سے انداز کے حامل دارالعلوم ختم نبوت (جامع مسجد) کی مکمل سرپرستی فرما رہے تھے۔ دارالعلوم ختم نبوت اور ہاؤسنگ کالونی میں واقع مرکزی مسجد عثمانیہ کے انتظامی مدیر بھی تھے۔

۱۱ جنوری کی شام یہی کوئی ساڑھے نو بجے کا وقت ہو گا۔ بچے اور بالکے پھل جھڑیاں اور پٹاخے چھوڑ کر شب برأت منا رہے تھے اور یوں دولت کو آگ لگا کر رہے تھے۔ ایک طرف تو یہ تھا اور دوسری طرف اشتری حلیے اور مختاری چالیس بھی اپنے اختتام کو پہنچ رہے تھے۔ حسن میں صباح کی روحانی و معنوی اولاد سیر ظاہر و سیر باطن، دین اسلام کے ازلی دشمن اس بات پر شاداں و فرحاں تھے کہ آج ہم ایک ایسی شخصیت کو اپنے خون آشام مذہب کے نام پر قربان کر رہے ہیں جو مسلمانوں میں بہت سارے حوالوں سے بہت سی حیثیات کا حامل ہے۔

پیر جی شہید اپنی رہائش گاہ میں اپنے مداحوں اور مریدین کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے، شہر کے ایک جاننے والے شیخ امجد حسین جو ملاقات کی غرض سے پیر جی کے پاس آئے تھے جانے لگے تو پیر جی انہیں رخصت کرنے کے لئے دروازے کے باہر تک آئے، کھڑے ہی تھے کہ دو موٹر سائیکل سواروں نے دونوں حضرات پر کلاشنکوف سے فائر کھول دیا۔ پیر جی کے ایک گولی پیٹ میں اور ایک پشت میں لگی جبکہ امجد حسین صاحب کو تین گولیاں کمر میں ایک ہاتھ پر لگی جس سے وہ موقعہ پر ہی جاں بحق ہوگئے پیر جی کو فوری طور پر اندر لایا گیا۔ اس دوران پیر جی نے پانی پیا اور ایک ساتھی کو کہا کہ ذرا باہر، امجد حسین کے متعلق پوچھا کہ اس کا پتا کرو، اس طرح اپنے بھتیجے قاری عبدالرحمن کے بیٹے اسد الرحمن جو پیر جی کا چھوٹا سا معصوم بھتیجا ہے اور اسے پیر جی سے بہت انس تھا اور پیر جی بھی اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ کے متعلق پوچھا۔ تازہ زخم کی وجہ سے شدت کا احساس نہ ہوا تھا مگر خون زیادہ بہنا شروع ہوا تو فوری طور پر ہسپتال موٹر سائیکل پر لے جایا گیا۔ راستے میں یہی کہا کہ جوان! خون بہت بہہ رہا ہے۔ سارے راستے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ورد کرتے رہے ہسپتال پہنچے ہی آخری سانس لیا اور روح اعلی علیین کو پرواز کر گئی۔ شہادت کی خبر آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ لوگ دیوانہ وار ہسپتال کی طرف جانے لگے۔ تمام دینی کارکنوں میں ایک کہرام برپا ہو گیا، پیر جی شہید کے متعلقین و متوسلین تو زار و قطار رونے لگے، آج مہر ووفا، محبت و خلوص کا خون ہو چکا تھا۔ اگلے روز اخبارات کے ذریعے یہ خبر تمام ملک میں پہنچ گئی۔

۱۷ جنوری تین بجے سہ پہر جنازے کا اعلان ہوا۔ دوسرے شہروں سے علماء طلباء اور دینی ذہن رکھنے والے

عوام جنازے میں شرکت کے لئے چیچا وطنی پہنچنے لگے۔ ملتان سے راقم، اور محترم سید محمد کفیل بخاری، رحیم یار خان سے پیر جی سید عطاء المھیمن بخاری مدظلہ، جو وہاں دورے پر گئے ہوئے تھے اور دو روز قبل ہی چیچا وطنی میں دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی تھی فوری طور پر چیچا وطنی پہنچے۔ حضرت سید عطاء المومن بخاری حاصل پور کے دورے پر تھے وہ بھی خبر سن کر فوراً اپنا سفر چھوڑ کر جنازہ میں شرکت کے لئے چلے۔ سپاہِ صحابہ کے مولانا اعظم طارق، مولانا ضیاء القاسمی، خیر المدارس کے اساتذہ مولانا محمد صدیق شیخ الحدیث جامعہ، حضرت مولانا عبدالستار صدر مفتی جامعہ خیر المدارس۔ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس، لاہور اور دیگر شہروں سے بہت سے احرار ساتھی اور دیگر لوگ جنازے میں شرکت کے لئے پہنچے، جنازہ سے قبل ایم سی ہائی سکول کے گراؤنڈ میں احتجاجی جلسہ بھی ہوا جس میں حضرت پیر جی سید عطاء المھیمن بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا اعظم طارق، مولانا ضیاء القاسمی وغیرہ نے اپنے اپنے انداز میں پیر جی شہید کو خراج عقیدت پیش کیا اور ان کے مظلومانہ قتل پر صدائے احتجاج بلند کی۔

پیر جی سید عطاء المھیمن نے تو اپنے مختصر خطاب میں یہی کہا کہ ہمارا تعلق ۵۷ء سے طالب علمی کے دور سے شروع اور آج تک ہم ایسے ہی رہے جیسے ماں جائے دو بھائی ہوتے ہیں۔ پیر جی کے اس قتل پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ہم میں وہ ایک قیمتی انسان تھے جو شیعہ کے ظلم کا نشانہ بن گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے تمام دینی بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس خونی ماحول میں اپنے آپ کو مکمل ضبط میں رکھیں اور کوئی بھی ایسا کام کرنے سے گریز کریں جو ہمارے اجتماعی مفاد کے خلاف جاتا ہو۔

ان کے بعد مجلس احرار اسلام کے مرکزی ناظم نشرواشاعت عبداللطیف خالد چیمہ نے اپنے انداز میں پیر جی کو خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی مظلومانہ شہادت، حکومت کی مسلسل جانبداری اور شیعہ نوازی پر بھرپور احتجاج کیا۔

چیمہ صاحب جب تقریر کر رہے تھے تو بے شمار لوگ زار و قطار رو رہے تھے اور اپنی بے بسی پر نوحہ کناں تھے۔

ٹھیک تین بجے نماز جنازہ ہوئی، حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہ نے امامت کی۔ بعد ازاں پیر جی شہید کو حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ کے بائیں جانب دفن کیا گیا۔ تدفین کے عمل میں سید نفیس شاہ صاحب بہ موجود رہے۔ پیر جی سید عطاء المھیمن بخاری نے اپنے ہاتھوں سے اپنے دوست شہید پیر جی کو قبر میں اتارا۔

نہ جانے ابھی کتنے علماء و صلحاء کو اس انداز میں رخصت کرنا پڑے فتنہ رفض کے خلاف قائد احرار جانشین امیر شریعت سید ابومعاویہ اوذر بخاری دامت برکاتہم نے اپنی بے پناہ جدوجہد اور سعی و کوشش سے علمی و عملی طور پر ایک بلند دیوار کھڑی کی، جسے احرار کارکنوں نے اپنا خون دیکر مضبوط کیا۔ بعد میں فتنۂ رفض کے خلاف اس قافلہ حق و صداقت میں مولانا حق نواز شہید اور ان کے رفقاء بھی شریک ہو گئے۔ پھر شہادتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور بہت ہی قیمتی انسان اس راہ میں جانیں ور گئے۔ ایک شعر، نہیں معلوم کس کا

ہے مگر ذہن میں بار بار آ رہا ہے کہ

جس دیوار کو خون پلا کر سر سے اونچا کر گئے لوگ
اس دیوار کے نیچے آکر اک اک کر کے مر گئے لوگ
ہر بستی میں شور بپا ہے، اک سناٹا ہے
یوں لگتا ہے جیسے جیتے جی ہی کوچ یہاں سے کر گئے لوگ

اور احرار کی تو روایت ہی یہی رہی ہے کہ
اس کوئے طلب میں ہم نے بھی دل نذر کیا، جاں واری ہے۔

آج مدارس پر پابندیوں کی باتیں عام ہیں۔ دینی رہنماؤں کا مظلومانہ قتل، دینی کارکنوں کو جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے، ان پر اغوا، قتل، ڈکیتی، چوری جیسے مقدمات کر کے جیلوں میں ٹھونسا جا رہا ہے، مساجد نمازیوں کے خون بے گناہی سے رنگین ہیں۔ دہشت و وحشت کا منظر ہے۔ جبکہ ان سنگین اور خوفناک حالات کے مقابلے کے لئے دینی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کی صفوں میں ہو کا عالم ہے۔ انتہاء تو یہ ہے کہ فخر رسل، مولائے کل محسن انسانیت، سید ولد نبی نوع آدم ﷺ کی ذات والا صفات پر کتے بھونک رہے ہیں۔ انہیں عدالتی فیصلوں کے ذریعے بری قرار دیکر بیرون ملک فرار کرایا جا رہا ہے۔

مگر ایک سوال جو بار بار نہاں خانۂ دماغ میں سوئی کی طرح چبھ رہا ہے کہ دینی جماعتوں کی ان حالات میں کوئی مشترکہ موومنٹ؟ مشترکہ لائحہ عمل؟ اتحاد و اتفاق کی فضا؟

ہاں! انتشار ہے۔ تفریق ہے۔ اپنی ذات کی پروجیکشن ضرور ہے۔ اور بس!

اللھم الرحمنا۔ اللھم احفظنا باعدآء المسلمین

مجلس احرار اسلام کی رکنیت سازی

مہم تیز کیجئے۔

اور ماتحت شاخیں مقامی انتخابات جلد مکمل کر کے

مرکز کو ارسال کریں۔

(مرکزی ناظم نشر و اشاعت)